انقلاب اسلامی ایران میں سیاسی اسلام کا مفہوم

تالیف: محمد صادق جمشید راد و سید محمد رضا محمود پناہی
ترجمہ: مولانا شیخ ممتاز علی

موجودہ دور میں ہم اسلام کی متعدد تعبیریں ملاحظہ کر رہے ہیں۔ مثلاً روایتی اسلام، اسلامی رجحانات ، اسلامی تحریک، اسلامی بنیاد پرستی اور سیاسی اسلام جیسے الفاظ سے ہم روبرو ہیں جو اسلامی معاشرہ میں ایک طرح کی بیداری اور جدید آگاہی کی علامت ہے۔ اس بیداری کی جڑیں پچھلی صدی کی ساتویں دہائی میں پیوست ہیں۔ اس زمانہ میں دینی پابندی تحریک رونما ہوئی اور بہت سارے دانشور ، اسلامی بنیادوں کی طرف بازگشت اور اجتماعی زندگی میں دینی اثرات کے احیاء کی ضرورت پر زور دینے لگے۔ اس سلسلہ میں اسلام کی روایتی اور سیاسی دو طرح کی تقسیم سامنے آئی ہے۔ روایتی اسلام وہ ہے جو مختلف شرعی اور عقلی توجیہات کی بناپر ہر طرح کے سیاسی نظام سے میل کھاتا ہے۔ روایتی اسلام صدیوں پرانا ہے اور معاشرہ میں لوگ زیادہ تر اس طرح کے اسلام سے واقف ہیں۔ اس طرح کے اسلام میں حاکم اور عالم مجزا اور الگ الگ ہیں۔ حاکم دنیاوی امور کی سرپرستی کرتا ہے اور عالم اخروی کاموں میں یعنی نماز روزہ وغیرہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ عالم کسی شہنشاہ یا امیر کے زیر نظر ہوتا ہے اور امیر کو دینی مشروعیت عطا کرتا ہے لیکن اس روایتی اسلام کے پہلو میں اسلام کی جدید تصویر بھی موجود ہے جس کی جڑیں اسلامی بنیادوں میں پیوست ہیں اور اس کی بازگشت اصل اسلام کی طرف ہے۔ اس طرح کے اسلام میں دین وسیاست کے درمیان کی حدیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ سیاسی اسلام میں سیاسی امور کی مرجعیت دین کی ذمہ داری ہے۔

مغربی جدیدیت کی نظر میں دین، سیاست سے جدا ہے لہٰذا سیاسی میدان میں کسی طرح کی دینی دخل اندازی ایک غلط ، منفی اور رجعت پسندانہ اقدام ہے۔ عالم اسلام پر مغرب کا ہر طرف سے حملہ اور اس سے اسلام والوں کا مقابلہ ، مغربی ماڈرن تعلیمات کی رد اور اسلامی تمدن کے احیاء اور اسلام کو سیاسی زندگی میں واپس لانے کے لئے مسلمان دانشوروں کی کوششوں کے نتیجہ میں اہل مغرب نے اسے رجعت پسندانہ عمل

اور اسلامی بنیاد پرستی قرار دیا [۱]۔ امام خمینی اس اسلام کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلام صرف عبادت نہیں ہے، یہ صرف عبادت والی تعلیم و تعلم نہیں ہے۔ اسلام مکمل سیاست ہے، اسلام کا غلط تعارف کرایا گیا ہے، جدید سیاست کا سرچشمہ اسلام سے پھوٹتا ہے [۲]۔

تین مختلف نظریات کے ذریعہ سیاسی اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پہلا نظریہ، مشرق وسطیٰ میں عوام اور حکومت کے مابین پیش آنے والے بحران کے نتیجہ میں سیاسی اسلام کا ظہور ہوا۔

دوسرا نظریہ ہنٹنگٹن کا نظریہ ہے جس کے مطابق سیاسی اسلام کے ظہور کی وجہ سے تہذیبوں میں ٹکراؤ پیدا ہوگا۔ اس تعبیر میں دار الاسلام ایک طرف ہے اور یہودی و مسیحی تمدن دوسری طرف۔

تیسرے نظریہ کے مطابق سیاسی اسلام ایک معتبر جدید طاقت بن کر مثبت انداز میں تبدیلیاں پیش کرنے والا ہے اور اسلام ہی راہ حل ہے کا نعرہ ہی اصل نعرہ ہے۔ اس نظریہ میں مسلمان اسلام کو ایک مکتب فکر سمجھتے ہیں اور اسلامی ملکوں میں موجود سیکولرزم سے اسے الگ جانتے ہیں۔ یہ نعرہ ان ملکوں میں اکثر سنا جاتا ہے جہاں اسلام کے شیدائی اپنی حکومت کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش میں مشغول ہیں۔ اسی طرح ان ملکوں میں بھی یہ نعرہ گونجتا ہے جہاں اسلامی جماعتیں اپنے مقاصد کو وسعت دینے کے لئے موجودہ سیاسی نظام میں شرکت کر رہی ہیں۔ اس مقالہ میں آخری نظریہ کو بنیاد بنایا گیا ہے اور موجودہ ایران میں اسلامی بنیاد پر جو نظام قائم ہے اس سیاسی اسلام کو فقاہتی اسلام کے عنوان سے پیش کیا جائے گا۔

بابی سعید کا خیال ہے کہ سیاسی اسلام، اسلامی شکل وصورت کو سیاسی عمل کے قالب میں پیش کرتا ہے اور یہ مفہوم ان لوگوں کے لئے ہے جو اسلامی اصولوں کی بنیاد پر حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، یعنی اسلامی ذہنیت کی پیدائش سے لیکر معاشرہ کی نو سازی تک کے تمام مراحل کو جو اسلامی اصول کے مطابق بنانا چاہتے ہیں، یہ نظریہ انہیں افراد کا ہے [۳]۔ اس نظریہ کے مد مقابل مغرب کا موقف نہ صرف مخالفانہ ہے بلکہ مخاصمانہ بھی ہے۔ الشہابی کے قول کے مطابق اس نظریہ کے عروج کو ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی

۱۔ بھروزلک، اسلام سیاسی و اسلام گرایی معاصر، ص ۲

۲۔ امام خمینی، صحیفہ نور، ج ۱۰۷، ص ۵

۳۔ بابی سعید، ہراس بنیادین اروپامداری و ظہور اسلام گرایی، ص ۳۹

میں دیکھا جاسکتا ہے [۱]۔ اسلامی حکومت کے مرکزی مفہوم تک پہنچنے سے پہلے سیاسی اسلام کا مفہوم بڑی تبدیلیوں کا حامل رہا ہے۔ اس مقالہ میں سیاسی اسلام کی تاریخی تبدیلیوں اور فقاہتی اسلام کی خصوصیتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

سیاسی اسلام کی تاریخ

مسلمان مفکرین نے سیاسی اسلام کی تحریک کو شروع کیا جو موجودہ دور میں خاص کرکے دو قطبی نظام کے بکھر جانے کے بعد نئے عالمی نظام کے لئے چیلنج بن چکا ہے۔ اسلام تہذیب، نظریات اور دوسرے میدانوں میں مغربی لبرل سرمایہ داری نظام کے لئے ایک بڑا چلنج بن کر سامنے آیا ہے۔ اسلام عالمی نظم و نسق، مختلف قومی، علاقائی اور عالمی سطح پر اختلافات کے حل و فصل اور بین الاقوامی تعلقات کے مستقبل کے لئے اپنا الگ نظریہ پیش کرتا ہے۔ سید جمال الدین اسد آبادی، محمد عبدہ، سید محمد رشید رضا، عبد الرحمٰن کوکبی، حسن البناء، ابو الاعلیٰ مودودی، ابوالحسن علی ندوی، سید قطب، نواب صفوی اور امام خمینی دور حاضر میں اسلامی رجحان رکھنے والے رہنما تھے۔

جمال الدین اسد آبادی (۱۸۹۷۔۱۸۲۹) غفلت اور تاریک اندیشی پر تنقید کرتے ہیں اور اس طرح وہ اصلاح پسندوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ محمد عبدہ (۱۸۴۹۔۱۹۰۵) بھی عالم اسلام کے زوال پذیر حالات سے رخ موڑتے نظر آتے ہیں۔ رشید رضا (متوفی ۱۹۳۵) بھی انفعال اور عدم کوشش کی وجہ سے مسلمانوں کی ملامت کرتے ہیں لیکن وہ اصلی خوبیوں کی طرف پلٹتے ہیں اور تجدد کا جدید نظریہ پیش کرتے ہیں اور غیر کی تقلید کو نا قابل قبول سمجھتے ہوئے اسے ناکافی بھی مانتے ہیں [۲]۔

جدید حالات اور سیاسی اسلام کی تاریخ کی تحقیق سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ سیاسی اسلام سیاسی کیوں ہے اور اسلامی سیاست کیوں اسلامی حکومت کی تشکیل کی کوشش کرتی ہے؟ سیاسی اسلام انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں مغربی تمدن کے بارے میں اپنے نوع نگاہ کی تبدیلی سے روبرو ہوا ہے۔ روایتی اسلام، اسلامی معاشرہ کی اقدار کی تشکیل میں زیادہ تر قدرت وحکومت کے بغیر شامل رہا ہے لیکن جب

۱۔ الشابی، سعید، ایران بین ربیع الثورات و تلوینات قوی الثورۃ المضادۃ، ص ۲

۲۔ برتران، بدیع، دو دولت: قدرت و جامعہ در غرب و سرزمین ہای اسلامی، ۸۶

اسلام مغرب اور زمانہ کی مشکلات سے روبرو ہوتا ہے تو وہ سیاسی بننے اور انسانی حیات کے ہر پہلو پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

مغرب سے تعامل کا مرحلہ

اس مرحلہ میں اسلام معاصر تمدن کی ساخت میں مشارکت کررہا ہے ۔ایسا تمدن جس میں بہت سے منفی پہلو ہیں لیکن اسے سرے سے نکارا نہیں جاسکتا ہے کیوں کہ اس میں انسانی جوہر موجود ہے اور اس کے بہت سے بنیادی محور اسلام سے یا اسلام کے اس سے ملنے جلنے کی وجہ سے مشترک ہیں۔اس بنیاد پر مسلمانوں کو معاصر تمدن کے ان بہترین عناصر کو لے لینا چاہئے تھا جن کا دین سے تضاد نہیں ہے۔

مغرب کی طرف اس طرح نظر ڈالنے والی تحریکیں سید جمال الدین اسد آبادی و شیخ محمد عبدہ کے زیر اثر تھیں۔ یہ تحریکیں مغربی زمین پر مغربی نکتہ نظر سے مغرب سے روبرو تھیں۔انیسویں صدی کے نصف آخر بلکہ اس سے پہلے کے اسلامی رجحان رکھنے والوں کی نظر میں مغربی تمدن ترقی کا آئینہ دار اور دوسروں کے لئے نمونہ تھا۔ یہ تو صحیح ہے کہ اس زمانہ میں مغرب اسلام اور مسلمانوں کا دشمن تھا لیکن اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اسی کے شیوہ اور روش کو اپنانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔اس زمانہ میں دو باتیں مسلّم تھیں جو تمام روشن فکر اور سیاسی مسلمانوں کے ذہن و عقل پر چھاچکی تھیں:

۱۔ مغرب اور ترقی و تمدن دو مساوی چیزیں ہیں۔

۲۔ نتیجۃً مسلمانوں کے پاس مثبت یا منفی تعاون کرنے کے لئے ایک واحد راستہ ہے۔ یا تو اس جدید تمدن کو اپنا کر اس سے تعامل کیا جائے اور یہ بات ممکن نہ ہونے کی صورت میں اسے ایک ہتھیار کے طور پر مقابلہ کے لئے استعمال کیا جائے[۱]۔

اسلامی رجحان رکھنے والوں نے اسلامی موروثی ثقافت اور اس کے مسائل و رجحانات پر غور و فکر کیا۔ مغربی تمدن کے سامنے سر جھکا لینا یا مغرب کی تقلید کرنے کی کوشش کرنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ انہوں نے اسلام اور اسلامی ثقافت کو نظر انداز کر دیا ہے بلکہ یہ اسلامی قدروں اور تمدن جدید کی بنیادی قدروں کے درمیان تعاون اور حکومتی نظام کی سطح پر شورائے اسلامی اور مغربی ڈیموکریسی کے درمیان مشابہت کی نشان

۱۔السید، رضوان، اسلام سیاسی معاصر در کشاکش ہویت و تجدد، ص ۱۶

دہی کی کوشش تھی۔ گذشتہ صدیوں میں طبیعی علوم میں مسلمانوں کی حیرت انگیز علمی ترقی اور درمیانی صدیوں میں اسلامی معاشرہ کے حیرت انگیز علمی کارناموں سے استفادہ پر تأکید ہوتی تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود اسلام کا جو چہرہ سامنے آتا ہے وہ دینداری اور اخلاقی نظام کا صاف شفاف چہرہ ہے جو مغرب کے متعفن چہرہ سے بالکل الگ ہے۔

اس بنیاد پر اسلام میں ترقی کے عناصر مغربی تمدن سے زیادہ قوی ہیں لیکن مسلمانوں کی پسماندگی اور مغرب کی ترقی کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے ایسے اقدار اور دین کے بلند اصولوں کو چھوڑ دیا اور ان چھوڑی ہوئی چیزوں سے دوبارہ تمسک کے سوا ان کے پاس کوئی دوسرا چارہ کار نہیں ہے۔ دوبارہ تمسک کے ذریعہ ان کی حالت بہتر ہو سکتی تھی۔

اس نظریہ کے مطابق جن اصولوں کو مسلمانوں نے بھلا دیا در حقیقت انہیں اصولوں کو جدید مغرب نے اپنا رکھا ہے۔ مغرب کے مضبوط قدم کا راز یہی ہے۔ اسی وجہ سے محمد عبدہ کے زمانہ میں ایک جملہ رائج ہو گیا تھا جسے پہلے پہل بیان کرنے والے کا نام نہیں معلوم اور وہ یہ ہے کہ مغرب میں اسلام ہے لیکن مسلمان نہیں ہیں اور مشرق میں مسلمان ہیں مگر اسلام نہیں ہے۔ اس زمانہ میں اسلام و مسلمانوں کے بارے میں مغربی منفی افکار کا جواب دیا گیا۔ اسلام میں عقیدہ قضاء و قدر کا دفاع ہوا اور غلامی کے بارے میں اسلامی نظریات پر مبنی کتابیں تحریر کی گئیں۔ مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور اسلام کے جاودانہ اقدار کے مباحث پر کتابیں سامنے آئیں۔ سید جمال الدین نے دھریوں اور ڈارون کے نظریات کا جواب دیا۔ محمد عبدہ نے ھانوتو، رنان اور فرح آنطون کا جواب لکھا۔ اسلام کے موقف کو واضح کرنے کے لئے اسلامی حکومت، فلسفہ، علم اور ترقی کے موضوع پر کواکبی، العظم اور رشید رضا کے کام سامنے آئے۔ عیسائیت کے مقابلہ میں، اسلام زیادہ ترقی یافتہ مذہب ہے، زندگی میں ترقی کرنے کے لئے اسلام سے دستبردار ہونے کی ضرورت نہیں ہے، جیسے موضوعات پر بہت کچھ کام ہوا کیوں کہ مسیحیت کو جدید یوروپ نے ایک گوشہ میں رکھ دیا تھا لیکن اس کے برخلاف اسلام ہمیشہ ترقی اور علم کے راستے دکھاتا رہا۔ اس کے علاوہ اسلام، عیسائیت کی طرح نہیں ہے جو افکار کو ترقی سے روک دے جیسا کہ قرون وسطیٰ میں مسیحیت نے یہ کام انجام دیا۔

پہلے مرحلہ میں اسلامی رجحان رکھنے والوں کی کوششوں کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام بھی یورپ کی طرح تمدن و ترقی کا منادی ہے۔ سیاسی اور فوجی مشکلات کے علاوہ مسلمان اور مغرب کے درمیان کوئی اختلاف

نہیں ہے۔ (یورپ کی استعماری طاقتوں کے ذریعہ اسلامی ملکوں میں ایسی مشکل پیدا ہو گئی ہے) اس بناپر جب مسلمانوں کی سرزمین سے مغرب نکل جائے گا تو مغربی تمدن کو مسلمان خود ہی رائج کریں گے کیوں کہ یہ تمدن تو اسلام کا تقاضا اور اس کا حقیقی جوہر ہے یہاں تک کہ مسلم دیار میں یوروپی استعمار کا وجود مسلمانوں کی ترقی میں رکاوٹ کا سبب ہے کیوں کہ مسلمانوں کی پسماندگی اور اوہام میں غرق رہنے ہی میں مغرب کی مصلحت پوشیدہ ہے۔ دین اور اس کی تاریخ اس پسماندگی اور اوہام سے انکار کرتی ہے۔ پہلے مرحلہ میں سیاسی اسلام مندرجہ ذیل نکات پر تاکید کرتا ہے:

(الف) اسلام ایک کامل اور جامع دین ہے جو ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے آیا ہے لیکن اسلام مغرب سے تعاون کرتے ہوئے اس کے علم و فن اور صنعت سے اسلامی معاشرہ کی ترقی میں مدد لے سکتا ہے۔

(ب) اسلامی ممالک میں اسلامی اصول واقدار کو اپنانے میں کمزور کارکردگی مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب ہے۔

(ج) مغربی تمدن کی ترقی کے تمام عوامل اور بنیادیں اسلام میں موجود ہیں بلکہ اسلام اس سے بہتر ہے۔

(د) اسلامی معاشرہ کی محرومی اور پسماندگی کا حل، اسلام اور اس کی ترقی یافتہ تعلیمات سے رجوع کرنے میں پوشیدہ ہے۔

(ہ) مغرب میں سیکولرزم کی وجہ کلیسا کی غیر عقلی اور انحرافی تعلیم ہے نہ کہ وحی الٰہی۔

(و) اسلام انحراف سے محفوظ آسمانی کتاب کے ذریعہ مغربی تمدن سے زیادہ ترقی یافتہ تمدن کی بنیاد رکھ سکتا ہے کیوں کہ عقل و علم کے علاوہ اس کے دامن میں وحی الٰہی کا خزانہ بھی موجود ہے

(ذ) تمام امور میں شریعت کی طرف رجوع کرنا، امت اسلامی کے روشن مستقبل کا ضامن ہے۔

(ح) مغربی ممالک کے ذریعہ اسلامی ملکوں کا تجزیہ اور استعمار، مغربی تمدن کا عدالت سے دور اور ظالمانہ رویہ ہے اور مسلمانوں کے رشد و ترقی میں رکاوٹ ڈالنے کی علامت ہے۔

مغرب سے تقابل کا مرحلہ

انیسویں صدی کے آخری حصہ میں عالم اسلام میں تجدد کے نظریہ میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ اب تجدد کا مطلب مشرق کے زوال کے رد عمل میں، مغرب سے عاریت لینا نہیں ہے بلکہ اسلام کے خاص تجدد کو

مغرب کے مقابل قرار دینا ہے[۱]۔ یہ مرحلہ تنقیدی اور بنیاد کو اکھاڑ پھینکنے والا مرحلہ ہے۔ یہ حالت اس زمانہ زمانہ کے تمدن سے مسلمانوں کی ناامیدی بیان کرتی ہے۔ مختلف اجتماعی اور سیاسی میدانوں میں خاص اسلامی تمدن کا نمونہ ظاہر ہوا جن کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ طبقاتی اور قومی چیلنجوں کو اسلام صحیح نہیں سمجھتا۔ اسلام جمہوریت یا سوشل ازم نہیں ہے لیکن اجتماع اور سیاست کے باب میں وہ پوری دنیا کے سامنے ایک ایسا نمونہ پیش کرتا ہے جو سب سے الگ ہے اور مادیت اور معاصر تمدن کے شر سے بالاتر ہے۔

ابو الاعلیٰ مودودی نے چوتھی دہائی میں اعلان کیا کہ اسلام سب سے الگ ایک دین ہے جس میں ساری چیزیں پائی جاتی ہیں جو شریعتوں کی ناسخ اور تمدن کے اعتبار سے یگانہ ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الكافرون[۲]، لہٰذا مسئلہ پلٹ کر اپنی اصل کی طرف جاتا ہے کہ حاکم کون ہے؟ نمونہ کون ہے؟ ارادہ کرنے والا کون ہے؟ ان سوالوں کا ہم دو طرح سے جواب دے سکتے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ ارادہ کرنے والا خدا ہے۔ ایسی صورت میں یہ نظام، نظام خدا اور اسلام وایمان ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ طاغوت کی حکومت حاکم ہے تو پھر ایسی صورت میں نظام، طاغوتی نظام ہوگا اور کفر اور گمراہی ہوگی۔ مودودی کی نظر میں اسلام اپنے پہلے اور بعد والے آئین کا ناسخ ہے، تمام قوانین سے بالاتر ہے اور دو باتوں سے خالی نہیں ہے یا تو اسلام روئے زمین پر حاکم اور مسلط ہو جائے گا یا کسی ایک علاقہ میں برتری حاصل کرکے اپنے پیروں کو مضبوط کرے گا اور پھیلنے اور چھاجانے کے لئے آمادہ ہوگا، اس کے علاوہ کوئی درمیانی صورت نہیں ہے۔ اس میں ڈیموکریسی اور لبرل ازم نہیں ہے۔ اسلام مشروطہ طلب اور نیشنلزم نہیں ہے۔ اسلام صرف اسلام ہے۔ مسلمانوں کو یہ ارادہ کرنا پڑے گا کہ وہ یا تو خالص مسلمان ہوں اور خدا کے بارے میں شرک نہ کریں یا اپنے ایمانی تقاضے کے باوجود دنیا کا مقابلہ نہ کریں اور درمیانی راستہ اختیار کریں۔ یعنی نہ تو خالص مسلمان رہیں اور نہ طاغوت بن جائیں۔ موجودہ تمدن میں طاغوت موجود ہے اور مغربی تمدن میں اپنے فتنوں اور فنون کے ذریعہ مغربی انسان پر غالب آچکا ہے اور انہیں غلامی کی طرف کھینچ چکا ہے اور اس نے مسلمانوں کے دین کو ختم کرنے کے لئے ان کی طرف بھی سیاسی پھندے پھینکے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ مسلمان اپنا عقیدہ چھوڑ دیں، اپنی سیادت سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور غلامی کے نظام میں داخل

۱۔ دو دولت: قدرت و جامعہ در غرب و سرزمین ہای اسلامی، ص ۸۶

۲۔ سورہ مائدہ، آیت ۴۴

ہو جائیں۔انہوں نے کبھی قانون تمدن کے نام پر تو کبھی جدید بین الاقوامی نظام کے نام پر ساری دنیا میں اپنا جال بچھانے کی کوشش کی ہے[۱]۔

اسی مرحلہ میں دوسری جنگ عظیم واقع ہوئی اور اس کے عظیم نقصانات بھگتنے پڑے، سرد جنگ شروع ہوئی اور دنیا کے ممالک سرمایہ داری اور اشتراکیت کے دو بلاک میں تقسیم ہو گئے۔اس کے ساتھ ساتھ فلسطین میں صہیونی حکومت آ گئی اور اسلامی معاشرہ میں لبرل نظام ختم ہوا۔ مغربی مفکرین کی ماڈرن تمدن پر تنقید کے ساتھ روشن فکر مسلمان جو پہلے سے ہی اپنی تحریروں میں اسلام کے لبرل اور معاصر تمدن کے برابر ہونے کی بات کرتے تھے، معاصر نظم تمدن کی تنقید کرنے لگے اور اسلام کو بلند بتانے لگے۔ مغرب کی سیاسی اور فکری ہم آہنگی سے انحراف، اسلام کو مغرب سے مانوس کرنے کی کوشش، تمام امور میں مغربی تمدن سے اسلام کی ہم آہنگی کو ثابت کرنے کی کوشش، مغربی اور مادی تمدن کے نامطلوب اثرات کی بناپر اس کے غیر انسانی اور غیر اخلاقی ہونے پر تنقید، دو عظیم جنگیں، پوری بشریت کو ہلادینے والے ایٹم بم کا استعمال، مشرق وسطیٰ میں ڈکٹیٹر اور فوجی حکومتوں کی حمایت اور کمیونزم سے مقابلہ کی خاطر عربی اسلامی لبرل نظام کے سقوط سے بے اعتنائی وغیرہ ایسے واقعات ہیں جو اسی دور میں رونما ہوئے۔

ایسی فضا میں مغرب کے متمدن اور ترقی یافتہ ہونے میں مسلمان مفکرین کو شک پیدا ہو گیا۔اسلامی تحریروں میں مارکسی ازم اور سرمایہ داری کو بے قیمت قرار دیا گیا اور جدید نظام تمدن کے لئے ایک نمونہ پیش کرکے سیاسی اور نظریاتی مقابلہ کی راہ ہموار ہوئی۔ یہ بات ان کے لئے ممکن تھی کیوں کہ ساتویں صدی عیسوی میں بھی اسلام دو بڑے مادی ڈکٹیٹر شپ (روم وایران) کا مد مقابل رہ چکا تھا اور دونوں طاقتیں دنیا پر اس وقت حکومت کر چکی تھیں، خدا کے نام سے اسلام دنیا کے سامنے ایک جدید نمونہ پیش کر سکا تھا اور ایرانی سلطنت کو ختم کر دیا تھا اور کچھ صدیوں کے مقابلہ کے بعد دوسری طاقت بھی بکھر گئی تھی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ۱۹۵۷ میں عربی زبان میں ایک کتاب شائع ہوئی۔ انہوں نے اس میں لوگوں کو اس بات پر متوجہ کیا کہ مغربی آئیڈیالوجی پوری دنیا منجملہ دنیائے اسلام پر چھاجانا چاہتی ہے۔ایسی صورت میں اسلامی آئیڈیالوجی ہی اس کا علاج ہے اور اس تسلط طلب آئیڈیالوجی کا مقابلہ صرف اسلام ہی کر سکتا ہے۔

۱۔ اسلام سیاسی معاصر در کشاکش ہویت و تجدد، ص ۲۰

پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں عربی زبان میں مولانا مودودی کی کتابوں کے ترجمہ کے بعد سیاسی اسلام کی گفتگو میں حاکمیت الٰہی کے مفہوم کو خاص جگہ ملی۔ ۱۹۶۴ میں سید قطب نے معالم فی الطریق نامی کتاب میں عصری چیلنج کے مد مقابل آنے والی اسلامی ثقافت کا ذکر کیا ہے۔ سید قطب چالیس اور پچاس کی دہائی میں اسلامی رجحان رکھنے والے مصنفین خصوصاً مولانا مودودی اور مولانا ندوی کے تنقیدی میراث پر تکیہ کرتے ہوئے الٰہی حاکمیت کی آئیڈیالوجی کو اسلامی شناخت کے لئے ریڑھ کی ہڈی بتاتے ہیں اور مسلمانوں کے حالات کے بارے میں اس سوال کے ذریعہ فیصلہ ممکن جانتے ہیں کہ سیاست وحکومت و ثقافت کے میدان میں کس کی حکمرانی ہے، خدا کی یا طاغوت کی ؟ اسلام کے علاوہ جو کچھ ہے وہ جاہلیت ہے، گمراہی اور طاغوت ہے۔ خدا اس طرح کہتا ہے، قرآن ایسی باتیں کرتا ہے اور رسول خداؐ کا قول بھی یہی ہے۔ سید قطب ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں: ہمارا لائحہ عمل الٰہی، قرآنی اور نبوی ہے، تم بغیر کسی لائحہ عمل اور فلسفہ کے صرف طغیان اور طاغوت کی بدولت ہم پر مسلط ہوگئے ہو، ہم جلد ہی طاقت اور اقتدار حاصل کرلیں گے تب تمہیں معلوم ہوگا کہ حکومت کے لئے ہمارے پاس کیا فلسفہ اور دستور العمل موجود ہے۔ اسلامی حکومت کی طرف دعوت کی تاریخی، اجتماعی اور اقتصادی بہت ساری دلیلیں موجود ہیں۔ محمد سعید العشماوی نے اس سلسلہ میں کچھ دلیلیں نقل کی ہیں جن کا خلاصہ یہاں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ **تاریخ استعمار**: مغرب (پہلے یورپ پھر پورپ اور امریکہ) اور مشرق (مشرق وسطیٰ) کا آمنا سامنا چار سو سال قبل مسیح ہوا۔ یہ سلسلہ اسکندر کی مصر، شامات اور فارس سے جنگ تک پہونچتا ہے۔ دوسری صدی قبل مسیح میں یونانی طاقتوں پر رومن امپائر والے غالب آگئے۔ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں اس نزاع نے دینی شکل اختیار کرلی۔ اسلام کے ظہور اور مصر، شام، شمالی افریقہ اور فتح اندلس تک سات صدیوں یہ سلسلہ جاری رہا۔ گیارہویں صدی عیسوی سے لیکر تیرہویں صدی عیسوی تک (۱۰۹۰۔ ۱۲۹۱) مغرب اور مسلمانوں کے درمیان صلیبی جنگ چلتی رہی جس میں دونوں طرف بڑے منفی اثرات نظر آئے۔ ایشیائے صغیر، یونان اور شبہ جزیرۂ بالکان پر عثمانی ترکوں کی کامیابی تک اور پھر اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک استعماری قوتوں مثلاً برطانیہ اور فرانس کے ذریعہ اسلامی ممالک کی تقسیم تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مسلمانوں اور قبضہ کرنے والوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔ اسلامی سرزمین کی آزادی کے لئے دو رجحانات پیدا ہوئے اول: لبرل رجحانات، جس

میں انسانی امور کے لئے جمہوریت اور برابری پر زور دیا گیا۔ دوم: اسلامی رجحان جس میں اسلامی خلافت (خاص کر ۱۹۲۴ میں مصطفیٰ کمال اتاترک کے ذریعہ خلافت ختم کردینے کے بعد) اور اسلامی حکومت قائم کرنے کی خواہش تھی۔

۲۔ **اسرائیلی حکومت کا قیام**: فلسطین کی سرزمین پر ۱۹۴۸ میں اسرائیل کا قیام ہوا جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اس حکومت کے قیام کو یہودی وعدہ الٰہی کا پورا ہونا اور مسلمان ایک سازش سمجھتے تھے۔ اسرائیلی حکومت کے قیام کو مسلمانوں نے صلیبی جنگ کی ایک نئی فصل سے تعبیر کیا اور اعراب واسرائیل کی جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ اعراب کی شکست کی وجہ سے مسلمانوں کا ایک گروہ اسلامی حکومت کے قیام کے بارے میں سوچنے لگا تاکہ اس طریقہ سے اسرائیل کا مقابلہ کیا جاسکے۔

۳۔ **فوجی یا نیم فوجی حکومتیں**: مغربی استعمار اور اسرائیل کی دھمکیوں کے پیش نظر زیادہ تر اسلامی ممالک، فوجی یا نیم فوجی حکومتوں کے ذریعہ چل رہے ہیں۔ اس طرح کی حکومتوں میں جمہوریت اور آزادی افکار کا نہ ہونا بھی اسلامی حکومت کے قیام کے رجحان کو بڑھاوا دیتا ہے۔

۴۔ **فساد**: اسلامی ممالک میں طاقتور انتظامیہ اور سیاسی نظام نہیں ہے جس کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں لہٰذا بعض افراد کا یہ ماننا ہے کہ اس کا علاج صرف اسلامی حکومت ہے۔

۵۔ **مغرب کا زوال**: عالم اسلام میں بہت سے افراد مغربی زوال کو سیاسی نعرہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس نیت اور امید کے ساتھ کہ اگر اسلامی حکومت کے ذریعہ عالم اسلام کو اقتدار حاصل ہوا تو اسلامی تمدن دوبارہ رنگ لائے گا اور اپنی برتری ثابت کرے گا۔

۶۔ ۱۹۷۹ میں ایران میں اسلامی انقلاب کامیاب ہوا اور اسلامی حکومت کی تشکیل ہوئی اور اس کے بعد دوسرے ممالک میں بھی اسلامی حکومت قائم کرنے کی خواہش، دوبارہ سے زندہ ہوگئی۔ جب انہوں نے ایران کی جدید حکومت کو آزادی طلب تمام اسلامی تحریکوں کی حمایت کرتے دیکھا اور جب انہیں اسلامی نظام سازی کے موانع اور مشکلات پر غلبہ پاتے دیکھا تو ان کے دلوں میں یہ تڑپ مزید بڑھ گئی۔ البتہ عشماوی کی نظر میں جمہوری اسلامی اور امامت کی اسلامی حکومت صرف شیعوں کے لئے مناسب ہے نہ کہ تمام مسلمانوں کے لئے[۱]۔

۱۔ العشماوی، محمد سعید، الاسلام السیاسی، ص ۱۱۰

دوسرے مرحلہ میں سیاسی اسلام کے مندرجہ ذیل مفہوم ہیں :

الف، اسلام، بس اسلام ہے اور اسے دوسرے بشری مکاتب جیسا نہیں سمجھنا چاہئے ۔

ب: مغرب قابل اعتماد نہیں ہے اس کے تسلط سے چھٹکارہ پانے کے لئے فوجی، سیاسی، علمی، ثقافتی تمام میدانوں میں اس سے مقابلہ ہونا چاہئے۔

ج: قدیم اور جدید حکومتی نظاموں اور نمونوں کے مد مقابل حکومت اور معاشرہ کے لئے اسلام کے پاس خاص نمونے موجود ہیں۔ استعمار، استبداد، بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں سے تعصب اور اسلام و مغربی تمدن کی ماہیت میں فرق کی بناپر اسلامی حکومت کی تشکیل ضروری ہے۔

د: عالمی سطح پر مسلمانوں کی کامیابی کے لئے ابتدا میں اسلام اور اس کے خاص نظریہ کو اسلامی علاقوں میں رائج کیا جائے اور استبدادی حکومتوں کو مٹادیا جائے۔

ہ۔ خدا کے علاوہ دوسرے کی حاکمیت طاغوت ہے، مشروعیت کے لئے ہر حکومت کا خدا و قرآن اور سنت نبوی کی طرف منسوب ہونا ضروری ہے۔

و: آئین کی وضع اور اس کا نفاذ شریعت کے مطابق ہونا چاہئے تاکہ مختلف میدانوں میں اسلام کی حقیقی ظرفیت اور اس کا تشخص دکھائی دے۔

اسلامی حکومت کا مطالبہ

اسلامی رجحان کا یہ مرحلہ پچھلی دہائیوں میں ظاہر ہوا اور اس کی دو خصوصیتیں ہیں۔ اسلام کا سیاسی رخ پوری آب و تاب کے ساتھ سامنے آیا جس کی وجہ سے یہ دین مبارزاتی جد و جہد کی حالت سے نکل کر ایسے دین میں تبدیل ہوگیا جو حکومت بنانے کا خواہاں تھا۔ مقابلہ کے مرحلہ میں اسلامی حکومت کی کلیت کی طرف دعوت دی گئی تھی اور اس مرحلہ اسلامی حکومت میں قانون گذاری، قضا اور اجرائی امور پر بحث ہوتی ہے۔ مختلف ملکوں میں اسلامی رجحان رکھنے والی جماعتیں قائم ہوئیں اور مخصوص اقتصادی اور اجتماعی لائحہ عمل پیش کرکے وہ عوام کے خیالات کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔ اس کی اصل دلیل یہ ہے کہ قدیمی اسلام، سیاسی اسلام میں بدل گیا ہے۔ ۱۹۲۴ میں ترکی میں خلافت ختم ہوگئی۔ کمال اتاترک کے طرفداروں نے خلافت کو کالعدم قرار دیکر ہزار برس کے پرانے اسلام اور حکومت کے رشتوں کو ختم کردیا۔ ان کے اس عمل سے اسلام

کو نئے سرے سے فعال وسرگرم بنانے کے عمل پر بڑا اثر اپڑا۔ اس مرحلہ میں سیاسی اسلام بڑے سخت مسائل سے دچار ہوا۔ اس مرحلہ میں یہ اہم نتیجہ نکلا کہ اسلامی سرزمین پر حقیقی اسلام کو رائج کرنے کے لئے اسلامی نظریات کے مطابق اقتدار حاصل کرنا اور حکومت قائم کرنا ضروری ہے۔ اس طرح اسلامی حکومت کی تشکیل اور شریعت کے احکام کا نفاذ جو کہ اسلامی رجحان رکھنے والوں کا اصلی مقصد تھا وہ فاسد حکومتوں کی رکاوٹوں اور مغربی ملکوں کی حمایت کی بناپر ایران کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں مکمل طور پر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوا۔ مشرق وسطیٰ میں عوام اور امام خمینیؒ کی کوششوں سے سیاسی اور شیعی اسلام کے عنوان سے جمہوری اسلامی کا قیام عمل میں آیا اور اس طرح صدیوں سال پرانی شیعی تمنا پوری ہو گئی۔

سیاسی اسلام میں دین سیاست سے جدا نہیں ہے اور اس کے اندر حکومت اور سیاست کے بارے میں بڑے جامع نظریات موجود ہیں اور وحی الٰہی پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے، انسانی ذہن کی پیداور سیاسی نظریات سے برتر ہیں۔ معاشرہ کی سیاسی حالت کی توضیح اور تبیین کے لئے سیاسی اسلام، اسلامی تعبیروں سے استفادہ کرتا ہے اور اس کی نظر میں دور حاضر کے مسائل کا واحد راہ حل اسلامی حکومت کی تشکیل ہے۔ سیاسی اسلام ایک ایسا ماڈرن معاشرہ تیار کرنا چاہتا ہے جو مغربی تمدن کے مثبت نتائج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے شر سے دور رہے[۲]۔ اسلامی رجحان رکھنے والوں کے نزدیک مسلمانوں کی سیاسی پسماندگی جدید مغربی استعمار کی دین ہے۔ وہ اسی پس منظر میں مسلمانوں کی پسماندگی کا جواب دینا چاہتے ہیں۔[۳] سیاسی اسلام کا آخری مقصد، اسلامی اصولوں پر مبنی معاشرہ کی تعمیر نو ہے اور سیاسی طاقت حاصل کرنے کے لئے اسی راستہ میں کچھ ضروری مقدمات پیش کئے جاتے ہیں۔ لبرل ازم، سوشل ازم اور شیعی فقہ کے ملنے کے بعد موجودہ ایران کے اندر سیاسی اسلام اور قدرت کے مفہوم میں کچھ اشکالات پیدا ہوئے:

الف: سیاسی لبرل اسلام: اس تحریک میں جمہوریت اور آزادی پر تاکید ہوتی ہے اور شیعی کتابوں کی لیبرل تفسیر کے ذریعہ اور اسلامی تہذیب واقدار پر مبنی جمہوری حکومت کی تشکیل کے لئے مذہب کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مہندس مہدی بازرگان نے پہلی بار اس نظریہ کو پیش کیا۔ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ علم، دین کے

۱۔ ہراس بنیادین اروپامداری وظہور اسلام گرایی، ص ۴۷
۲۔ حسینی زادہ، محمد علی، اسلام سیاسی در ایران، ص ۱۸
۳۔ روا، الیویہ، تجربہ اسلام سیاسی، ص ۲۳

ساتھ اور دینی اقدار، ماڈرن زندگی کے ساتھ سازگار ہے اور آج کے انسان کے لئے دین بہت ضروری ہے ۔ سیاسی میدان میں بھی وہ مغربی سیاست کے اثرات کی قبولیت کے ساتھ ساتھ اسلام کی ڈیموکریٹک لبرل تفسیر کی کوشش کرتے تھے[۱]۔ان کی نظر میں اسلام مکتب عمل ہے اور جدید دنیا سے اس کی مطابقت ممکن ہے۔ بازرگان دین و سیاست کے ارتباط کے قائل تھے۔ وہ زندگی، حکومت اور سیاست پر دین کے تعمیری اثرات کے قائل تھے۔ان کی نظر میں مذہب عام انسان کے روزمرہ کی رفتار معین کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے معاشرہ کی شکل بدلی جاسکتی ہے۔[۲]

ب: بائیں بازو کا سیاسی اسلام: یہ نظریہ اسلام کو سوشلزم سے مرکب کرنے کے درپئے تھا۔ ڈاکٹر علی شریعتی اس گروہ کے نظریہ پرداز تھے۔ وہ دینی مفاہیم کی بازگشت کے لئے نئی اور پرکشش تصویر پیش کرتے تھے۔اس سلسلہ میں وہ انقلاب، تقیہ، جہاد، امت، امامت، شہادت، انتظار وغیرہ جیسے دینی مفاہیم کو سیاسی اور اس زمانہ کے لئے کارآمد مفاہیم کی شکل میں پیش کرتے تھے۔ انہوں نے شیعہ قدیم مفاہیم کی سیاسی نوسازی کے ذریعہ اس کے سیاسی ہونے میں تعاون کیا، پھر بائیں بازو کے رجحان اور سوشلزم کے ذریعہ اسے راڈیکالیزم کے رخ پر موڑ دیا۔

ج: سیاسی فقہی اسلام: یہ امام خمینیؒ کے افکار پر مبنی اسلام ہے۔ان کی نظر میں ولایت فقیہ، روحانیت اور فقیہ شریعت کے اصلی مفسر ہیں۔اس نظریہ کے مطابق علم فقہ کا دینی قوانین کی شناخت میں اہم کردار ہے اور دین کے معتبر ماہرین فقہاء، سیاسی فقہی اسلام میں بلند مقام کے حامل ہیں اور صرف علماء شریعت کی تفسیر کرسکتے ہیں۔علماء کو حذف کردینے کے بعد اسلام کے اندر مغز نہیں رہ جائے گا اور وہ ایک انحرافی نقطہ نظر بن جائے گا۔[۳]

۱۔ اسلام سیاسی در ایران، ص ۱۹۵

۲۔ برزین، سعید، زندگی نامہ سیاسی مہندس مہدی بازرگان، ص ۶۹

۳۔ اسلام سیاسی در ایران، ۲۳۲

امام خمینیؒ کے کام کی اہمیت اس رخ سے بھی ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ خاص طورپر پہلوی حکومت کی بلکہ دنیائے اسلام کے اندر رائج نظام کی مخالفت کی ہے۔ انہیں کی وجہ اسلامی رجحان ایک معمولی مخالفت اور سیاسی قیام سے ہٹ کر موجود نظام کے خلاف تحریک میں تبدیل ہوگیا۔[1]

فقاہتی اسلام

فقاہتی اسلام، سیاسی اسلام کی وہ تفسیر ہے جو امام خمینیؒ کی قیادت میں ایران کے اندر اسلامی قوانین پر مبنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ فقہ شیعہ کے نقطہ نظر سے صرف امام معصوم یا اس کا نمائندہ، حاکم اور قائد کے عنوان سے قابل قبول ہے اوراسے شرعی حیثیت حاصل ہے۔ نیابت خاصہ کے بعد علماء نیابت عامہ کے عنوان سے سامنے آئے۔ اس طرح عالم تشیع میں علما کو سیاسی بالادستی حاصل رہی ہے۔ شیعہ مذہب ہمیشہ سے کم وبیش سیاسی مذہب رہا ہے لیکن بیسویں صدی کے اوائل سے ایران میں اسلام اور زیادہ سیاسی ہوگیا اور سیاست میں حصہ لینے اور قانون کی شکل میں احکام شریعت کے نفاذ کا جذبہ پیداہوا۔ قومی اور بین الاقوامی سیاسی مسائل میں علماء کی دلچسپی میں مزید اضافہ اور انیسویں صدی سے سیاسی میدان میں ان کا سرگرمی سے حصہ لینا، ان کے قدیم رویہ میں تبدیلی کی علامت ہے۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے علماء کااثرو رسوخ بھی مضبوط ہوااور وہ منسجم ہوئے۔

قاچاری دور کے آخری زمانہ سے بعض جدید مباحث جیسے علماء کی طرف سے قانون کے اندر محدود حکومت کی بحث چھڑی۔ مثلاً آیۃاللہ نائینی نے قانون کے حدود میں حکومت (مشروطہ) کے اصول کو شیعہ عقائد کے اصولوں کے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ تنبیہ الملحدین میں آیت اللہ نائینی مشروطہ سلطنت کی تشکیل کے لئے علما کی جد و جہد کو مشروعیت عطا کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جد و جہد کا جواز مقصد اور ہدف کے جواز سے وابستہ ہے۔ آیت اللہ نائینی کا نظریہ عقل و نقل پر مبنی ہے یعنی منطقی استدلال اور اسلامی روایات دونوں اس کی بنیاد ہیں[2]۔ ماڈرن نظریات اور اسلام کو قریب کرنے کی مختلف کوششیں شروع ہوئیں اور عملی طورپر بھی بہت سے بڑے علماء نے مشروطہ تحریک کی حمایت کی اور حکومت مشروطہ اور

۱۔ ہراس بنیادین اروپامداری و ظہور اسلام گرایی، ص ۱۰۴

۲۔ حائری، عبدالہادی، تشیع و مشروطیت در ایران و نقش ایرانیان مقیم عراق، ص ۲۱۶

مذہبی اصول میں میل ہوا۔آیت اللہ سید عبد اللہ بہبہانی کے نظریات اور شیعیت اور مشروطہ طلبی کی قربت کے نظریہ کی بناپر علماء کی سیاسی فکر میں تبدیلی پیداہوئی۔ قدرت مطلقہ کے ساخت کی مضبوطی، مغربی طریقہ پر نوسازی، علماء کی تضعیف اور آیت اللہ بروجردی کے انتقال کے بعد مرجع کی تعیین میں شاہ کی دخل اندازی جیسی وجوہات کی بناپر مقابلہ کی زمین ہموار ہوئی۔اس مرحلہ میں علماء نے نظریہ مشروطہ سے گذر کر رفتہ رفتہ آئین کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیااور قانون شرع اور اسلامی نظام کی حمایت کی۔ایسے حالات میں امام خمینی نے سلطنت مشروطہ کی رد کرتے ہوئے، شیعوں کے امامت ، ولایت، حکومت اور نیابت عامہ کے اصلی نظریہ کی طرف رجوع کیااور ولایت فقیہ کا نظریہ پیش کیا۔انہوں نے باصلاحیت فقیہ کو حکومت کا حق دار ثابت کیا۔

انقلاب اور اسلامی حکومت کے مرحلہ میں پہونچ کر شیعی اسلام فقاہتی اسلام تک پہونچااور فقاہتی اسلام ایک اسلامی مملکت میں اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیااور دینی ڈیموکریسی کامیابی کے ساتھ رائج ہو گئی۔

فقاہتی اسلام میں دین صرف ایک عقیدہ نہیں ہے بلکہ اس کے بے پناہ پہلو ہیں اور وہ انسانی زندگی کے تمام حصوں پر محیط ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اسلام ایک ایسی جامع آئیڈیالوجی ہے جس میں انسان کی دنیا وآخرت دونوں موجود ہیں۔ زندگی کے ہر پہلوکے لئے اس میں واضح احکام اور دستور موجود ہیں[۱]۔ فقاہتی اسلام کے ماننے والوں کی نظر میں اسلام صرف عبادت کامذہب نہیں ہے بلکہ دین اجتماع اور سیاست ہے اور انسان کی انفرادی زندگی کے علاوہ اس کی نظر انسانی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی ہے۔

امام خمینیؒ کی نظر میں اسلام صرف عبادت کامذہب نہیں ہے، محض عبادتوں کی تعلیم وتعلم کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اسلام سیاست ہے۔ دنیا کی دوسری حکومتیں بہت سے امور سے غافل ہیں لیکن اسلام کسی چیز سے غافل نہیں ہے۔انسان کے اندر موجود تمام پہلوؤں کی تربیت کاانتظام اسلام کے دامن میں موجود ہے[۲]۔ اسلام وہ مکتب فکر ہے جو مادی، معنوی، اجتماعی، انفرادی، اقتصادی وغیرہ امور میں دخیل ہے۔

۱۔ بہروزلک، غلام رضا، جہانی شدن واسلام سیاسی در ایران، ص ۳۹

۲۔امام خمینی، ولایت فقیہ، ج ۵ ،ص ۱۷

مثالی معاشرہ

عام مسلمانوں کی نظر میں اسلامی حکومت کا سب سے بڑا اور مثالی نمونہ مدینۃ النبیؐ میں ختمی مرتبت کی حکومت ہے[۱]۔ اسلام کا مثالی سیاسی معاشرہ وہ اخلاقی معاشرہ ہے جس میں خدا کے نزدیک سب برابر ہیں، برتری کا معیار تقویٰ ہے جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی معاشرہ میں مسلمانوں کی خوشبختی اور دنیا وآخرت کی سعادت کی ضمانت ہے۔ ہمارے زمانہ میں جو مذاہب موجود ہیں، امام خمینیؒ کی نظر میں اسلام ان مذاہب کی طرح نہیں ہے۔ اسلام انسان کی ہر طرح سے تعمیر کرتا ہے۔ عقل، اخلاق اور تہذیب کے اعتبار سے اس کی تعمیر کرتا ہے، ظاہری آداب کے اعتبار سے اس کی تعمیر کرتا ہے اور اس کی زندگی کی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے[۲]۔

سیاسی اسلام کا جو مثالی معاشرہ ہے اس میں اسلام ایک ایسی مستغنی ثقافت کا حامل ہے جس میں دائیں اور بائیں بازو کی طرف جھکاؤ کے بغیر اور رنگ و نسل وزبان وعلاقہ کے فرق کے بغیر معاشرہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہے اور انسان کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی پہلوؤں کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔ اسلام گہوارہ سے گورتک علم حاصل کرنے کی ترغیب دلاتا ہے اور تمام جھوٹ، دھوکہ، فریب اور سازشوں کے بغیر ایک صحیح وسالم حکومت بنانے کی ہدایت کرتا ہے اور دوسرے ممالک جو ظلم وستم سے دور ایک مسالمت آمیز رابطہ کے لئے پابند عہد و پیمان ہیں، ان سے مضبوط اور برادرانہ رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام بغیر کسی وابستگی کے ہر ایک کے فائدہ کی خاطر رفاہ عامہ کی غرض سے، بے کسوں اور کمزوروں کو اہمیت دیتے ہوئے ایک صحیح اور سالم اقتصاد پر یقین رکھتا ہے۔ کاشتکاری اور صنعت وتجارت میں اضافہ کے لئے کوشش کرتا ہے۔ فوجی شعبوں میں، جن لوگوں میں ملک کے دفاع کی صلاحیت ہے ان تمام افراد کو اضطراری صورت حال سے نپٹنے کے لئے فوجی ٹریننگ دیتا ہے۔ ایسے موقع کے لئے اختیاری طور پر دفاع کی کوششوں میں شامل ہونے کی چھوٹ رکھنے والوں پر بھی دفاع کو لازمی قرار دیتا ہے۔ سرحدوں کی حفاظت، شہر کے نظم ونسق کی درستگی، راستوں کے تحفظ اور نظم وضبط کے بچاؤ کی خاطر عام حالات میں دفاع کے لئے وہ مومن افراد کی تربیت

۱۔ فیرحی، داود، نظام سیاسی ودولت در اسلام، ص ۳۱
۲۔ امام خمینی، صحیفہ نور، ج ۳، ص ۳

کرتا ہے[۱] لہٰذا امام خمینیؒ کے نقطہ نظر کے مطابق انسانیت کے تحقق کے لئے تمام انسانی امور میں اسلام مرجعیت کا حامل ہے۔

اسلامی معاشرہ میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور عدالت قائم ہوتی ہے۔ ماضی میں مدینہ کے اندر پیغمبرؐ کی حکومت اور آئندہ منجی موعود کی حکومت اس نمونہ کی بہترین مثال ہے۔ امام خمینیؒ کی نظر میں اسلامی حکومت کے قیام کا مقصد عدالت قائم کرنا ہے[۲]۔ آپ کی نظر میں اسلامی اور غیر اسلامی حکومت میں فرق یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں اوپر سے نیچے تک کہیں بھی ظلم نہ ہونے پائے[۳]۔ ایسے معاشرہ میں فضیلت کا معیار نہ ثروت ہے اور نہ جاہ و مقام حتی علم و دانش بھی فضیلت کا معیار نہیں ہے۔ اگر کچھ معیار ہے تو وہ تقوائے الٰہی ہے۔ ایسے معاشرہ میں حاکم کوئی مذہبی اور اللہ والا ہوگا یعنی فرمان روائی کی بے پناہ عام صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اسے یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ خدا کی خاص تائید اور اس کا تقرب اسے حاصل ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ غیبت امامؑ کے زمانہ میں اس کے اندر ایسی معنوی صلاحیت ہو کہ وہ ان کا جانشین بننے کے قابل ہو۔ اس بنا پر دنیا کے دوسرے ادیان کے برخلاف اسلام میں دین و دنیا کا راستہ ایک ہی ہے، سب سے زیادہ دینی صلاحیت رکھنے والے افراد دنیا کے سب سے بڑے عہدے پر فائز ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر ایک اسلامی سیاسی معاشرہ تمام سیاسی اقتصادی کاموں کا مرجع اور مبنی ہوتا ہے۔ ایسے معاشرہ کی تشکیل کا مقصد انسانوں کے درمیان عدالت کا قیام ہے اور اس کے لئے تمام امور کو ان فرامین الٰہی پر منطبق کرنا پڑے گا جو وحی کے ذریعے ہم تک پہونچے ہیں۔

امام خمینیؒ کی نظر میں دوسری حکومتوں میں عوام کے نمائندے یا شہنشاہ قانون ساز ہوتا ہے لیکن اسلام میں مقنّنہ اور تشریع کے اختیارات خدا سے مخصوص ہیں، صرف اور صرف شارع مقدس قانون ساز ہے، کسی دوسرے کو قانون بنانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ حاکم شرع کے علاوہ کسی دوسرے کے ذریعہ قانون کا نفاذ بھی نہیں ہو سکتا۔ امام خمینی کی نظر میں اسلامی حکومت کے اندر مجلس (پارلیمنٹ) کا مخصوص کام احکام

۱۔ صحیفہ نور، ج ۹، ص ۹۲
۲۔ ایضاً، ص ۲۰۴
۳۔ ایضاً، ج ۱۱، ص ۱۳۶

اسلامی کی روشنی میں وزارتوں کے لئے لائحہ عمل (پروگرام) تیار کرنا ہے۔ وہ اس پروگرام کے ذریعہ پورے ملک میں عوامی خدمات کی کیفیت معین کرتی ہے۔[1]

منابع و مآخذ

❖قرآن کریم

❖ابراہامیان، یرواند، ایران بین دو انقلاب، مترجمین، احمد گل محمدی و محمد ابراہیم فتاحی، تہران، ۱۳۷۹

❖آر، کدی، نیکی، ریشہ ہای انقلاب ایران، عبدالرحیم گواہی، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۵

❖برزین، سعید، زندگی نامہ سیاسی مہندس مہدی بازرگان، تہران، ۱۳۷۴

❖برتران بدیع، دو دولت: قدرت وجامعہ در غرب وسرزمین ہای اسلامی، مترجم احمد نقیب زادہ، مرکز بازشناسی آثار اسلام وایران (انتشارات باز)، تہران، ۱۳۸۰

❖بشیریہ، حسین، موانع توسعہ سیاسی در ایران، تہران، نشر نو، ۱۳۸۰

❖بہروزلک، غلام رضا، جہانی شدن واسلام سیاسی در ایران، پژوہشگاہ فرہنگ واندیشہ اسلامی، تہران، ۱۳۸۶

❖بہروزلک، غلام رضا، اسلام سیاسی واسلام گرایی معاصر، پگاہ حوزہ، شمارہ ۲۰۹، خرداد ۱۳۸۶

❖پارسا، حمید، حدیث پیمانہ: پژوہشی در انقلاب اسلامی، دفتر نشر وپخش معارف، قم، ۱۳۸۰

❖حائری، عبدالہادی، تشیع ومشروطیت در ایران ونقش ایرانیان مقیم عراق، تہران ۱۳۶۴

❖حسینی زادہ، محمد علی، اسلام سیاسی در ایران، دانشگاہ مفید، قم، ۱۳۸۶

❖امام خمینیؒ، صحیفۂ نور، انتشارات سازمان مدارک فرہنگ انقلاب اسلامی، ۱۳۶۹

❖امام خمینیؒ، ولایت فقیہ، عروج، تہران، ۱۳۷۷

❖رواِلیویہ، تجربۂ اسلام سیاسی، مرکز انتشارات بین المللی صدرا، تہران، ۱۳۷۸

❖سعید، بابی، ہراس بنیادین اروپامداری وظہور اسلام گرایی، مترجمان، غلام رضا جمشیدی ہا وموسی عنبری، دانشگاہ تہران، تہران، ۱۳۷۹

۱۔ ولایت فقیہ، ص ۳۵

❖السید رضوان ، اسلام سیاسی معاصر در کشاکش ہویت و تجدد، مترجم مجیدی مرادی ، مرکز بازشناسی اسلام و ایران، تہران، ۱۳۸۳
❖سیسک ، تیموتی ، اسلام ودموکراسی : دین، سیاست وقدرت در خاور میانہ، مترجمین، شعبان علی بہرامپور وحسن محدثی، نشرنی، تہران،۱۳۷۹
❖الشابی؛د۔سعید، ایران بین الثورات و تلوینات قوی الثورہ المضادة، لندن: القدس العربی ،۲۰۱۱
❖ گراھام فولر، اسلام نیروبی برای تغییر، لوموند دیپلماتیک،۱۹۹۹
❖العشماوی، محمد سعید، نظام سیاسی ودولت در اسلام، سمت، تہران ،۱۹۹٦
❖فیرحی، داود، نظام سیاسی ودولت در اسلام، سمت، تہران ،۱۳۸۲
❖ محمود پناھی، سید محمد رضا، چالش ھای اسلام سیاسی و غرب، مرکز اسناد انقلاب اسلامی، تہران،۱۳۸۹
❖ مجموعہ قوانین مجد، قانون اساسی جمہوری اسلامی ایران بہ بکوشش عباس حسینی نیکر، تہران،۱۳۷۷
❖ مطہری، مرتضیٰ، اسلام ومقتضیات زمان، جلد اول؛انتشارات صدرا، تہران،۱۳۷۳
❖ میر احمدی، منصور، اسلام ودموکراسی مشورتی؛نشرنی، تہران،۱۳۸۴